

# تفہیم القرآن

## الضحیٰ

نام | پہلے ہی لفظ والضحیٰ کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا تھا جس سے حضرت پریشان ہو گئے تھے اور بار بار آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا جس کی وجہ سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس پر آپ کو طینا دلایا گیا کہ وحی کے نزول کا سلسلہ کسی ناراضی کی بنا پر نہیں روکا گیا تھا، بلکہ اس میں وہی مصلحت کا فرما تھی جو روزِ روشن کے بعد رات کا سکون طاری کرنے میں کارفرما ہوتی ہے۔ یعنی وحی کی تیز روشنی اگر آپ پر برابر پڑتی رہتی تو آپ کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکتے، اس لیے سچ میں وقفہ دیا گیا تاکہ آپ کو سکون مل جلتے۔ یہ کیفیت حضور پر نبوت کے ابتدائی دور میں گزرتی تھی جبکہ ابھی آپ کو وحی کے نزول کی شدت برداشت کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی۔ اس بنا پر سچ میں وقفہ دینا ضروری ہوتا تھا۔ اس کی وضاحت ہم سورہٴ مدثر کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔ اور سورہٴ قمر کی حاشیہ میں ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نزولِ وحی کا کس قدر شدید بار آپ کے اعصاب پر پڑتا تھا بعد میں جب حضور کے اندر اس بار کو برداشت کرنے کا تحمل پیدا ہو گیا تو طویل وقفے دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے اور مقصد اس پریشانی کو دور کرنا ہے جو نزولِ وحی کا سلسلہ رک جانے سے آپ کو لاحق ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے روزِ روشن

اور سکونِ شب کی قسم کھا کر آپ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ کو خوشخبری دی گئی ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دور میں جن شدید مشکلات سے آپ کو سابقہ پیش آ رہا ہے یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ آپ کے لیے ہر بعد کا قدر پہلے دور سے بہتر بننا چلا جائے گا اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی عطا و بخشش کی ایسی بارش کرے گا جس سے آپ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی اُن صیرج پیشگوئیوں میں سے ایک ہے جو بعد میں حرفِ بھری ہوئی، حالانکہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اُس وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نظر نہ آتے تھے کہ مکہ میں جو بے یار و مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کے مقابلے میں برسرِ پیکار ہو گیا ہے اُسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمہیں یہ پریشانی کیسے لاحق ہوگئی کہ ہم نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور تم سے ناراض ہو گئے ہیں ہم تو تمہارے روزِ پیدائش سے مسلسل تم پر مہربانیاں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تم تعلیم پیدا ہوتے تھے، ہم نے تمہاری پرورش اور خبر گیری کا بہترین انتظام کر دیا۔ تم نادانِ راہ تھے، ہم نے تمہیں راستہ بتایا۔ تم نادار تھے، ہم نے تمہیں مالدار بنا دیا۔ یہ ساری باتیں صاف بتا رہی ہیں کہ تم ابتدا سے ہمارے منظورِ نظر ہو اور ہمارا فضل و کرم مستقل طور پر تمہارے شامل حال ہے۔ اس مقام پر سورہ طہ، آیات ۴۳ تا ۴۷ کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جہاں حضرت موسیٰ کو فرعون جیسے جبار کے مقابلہ میں بھیجے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کی پریشانی دور کرنے کے لیے اُنہیں بتایا ہے کہ کس طرح تمہاری پیدائش کے وقت سے ہماری مہربانیاں تمہارے شامل حال رہی ہیں، اس لیے تم اطمینان رکھو کہ اس خوفناک مہم میں تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ ہمارا فضل تمہارے ساتھ ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے کہ جو احسانات ہم نے تم پر کیے ہیں ان کے جواب میں خلقِ خدا کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اور ہماری نعمتوں کا شکر تمہیں کس طرح ادا کرنا چاہیے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے  
قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے، (اے نبیؐ) تمہارے  
رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے

لے یہاں لفظ صُحیٰ رات کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد روزِ روشن ہے۔ اس کی تفسیر  
سورہ اعراف کی یہ آیات ہیں: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرَىٰ اَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاَسًا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ - اَفَاَمِنَ  
اَهْلُ الْقُرَىٰ اَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاَسًا صُحًّیّ وَهُمْ يُلْعَبُونَ (۹۷-۹۸) ”کیا بستیوں کے لوگ اس سے بخت  
ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ اور کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہیں  
کہ ان پر ہمارا عذاب دن دھاڑے آجائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟“ ان آیات میں بھی چونکہ صُحًّیّ کا لفظ رات  
کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ دن ہے۔

یہ اصل میں رات کے لیے لفظ صُحًّیّ استعمال ہوا ہے جس میں صرّت تاریکی چھا جانے ہی کا نہیں بلکہ سکوت  
اور سکون طاری ہو جانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ رات کی اس صفت کا اُس مضمون سے گہرا تعلق ہے جو آگے  
بیان ہو رہا ہے۔

۳ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا  
تھا مختلف روایات میں یہ مدت مختلف بیان کی گئی ہے۔ ابن جریر نے ۱۲ روز، بخاری نے ۱۵ روز، ابن عباسؓ  
نے ۲۵ روز، سیدی اور مقاتل نے ۴۰ روز اس کی مدت بیان کی ہے بہر حال یہ زمانہ اتنا طویل تھا کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر سخت غمگین ہو گئے تھے اور مخالفین بھی آپ کو طعن دینے لگے تھے۔ کیونکہ حضورؐ پر جو  
نئی سورۃ نازل ہوتی تھی اسے آپ لوگوں کو سنایا کرتے تھے، اس لیے جب اچھی خاصی مدت تک آپ نے کوئی  
نئی وحی لوگوں کو نہیں سنائی تو مخالفین نے سمجھ لیا کہ وہ سرخپہ بند ہو گیا ہے جہاں سے یہ کلام آتا تھا۔ مجتنب  
بن عبد اللہ انجلی کی روایت ہے کہ جب جبریل علیہ السلام کے آنے کا سلسلہ رک گیا تو مشرکین نے کہنا شروع  
کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے (ابن جریر، طبرانی، عبد بن حمید، سعید بن  
منصور، ابن مردودہ)۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کی بیوی امّ جمیل نے، جو حضورؐ کی  
چچی ہوتی تھی اور جس کا گھر حضورؐ کے مکان سے متصل تھا، آپ سے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے

بہتر ہے، اور غمگین نہ رہا کہ تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ کیا اُس نے تم کو عظیم نہیں پایا تمہیں چھوڑ دیا ہے۔“ عوفی اور ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ کئی روز تک جبریلؑ کی آمد رک جانے سے حضور پریشان ہو گئے اور مشرکین کہنے لگے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک کی مُرسل روایات میں بھی قریب قریب یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس صورتِ حال میں حضور کے شدید رنج و غم کا حال بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ محبوب کی طرف سے بظاہر عدم التفات، کفر و ایمان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد اُسی ذریعہ طاقت سے بظاہر محرومی جو اس جاں گسل کشکش کے منجھار میں آپ کے لیے واحد سہارا تھا، اور اُس پر مزید دشمنوں کی شامت، یہ ساری چیزیں مل جلیں کہ لامحالہ حضور کے لیے سخت پریشانی کی موجب ہو رہی ہوگی اور آپ کو بار بار یہ شبہ گزرتا ہوگا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا ہے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔

اسی کیفیت میں یہ سورۃ حضور کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ اس میں دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر حضور سے فرمایا گیا کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے اس بات اُن دونوں چیزوں کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت اُن سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اُسی طرح تم پر کبھی وحی بھیجنا اور کبھی اُس کو روک لینا بھی حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے، اس کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے، اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، اس کے علاوہ دوسری مناسبت اس مضمون سے اس قسم کی یہ ہے کہ جس طرح دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اسے تھکا دے، اس لیے ایک وقتِ خاص تک دن کے روشن رہنے کے بعد رات کا آنا ضروری ہے تاکہ اس میں انسان کو سکون ملے، اُسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے درپے پڑتی رہے تو تمہارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے، اس لیے وقتاً فوقتاً فترۃ (نزد و دوری) کا سلسلہ رک جانے، کا ایک زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے مصلحت کی بنا پر رکھا ہے تاکہ وحی کے نزول سے جو بارگاہ پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل

اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں نادانق راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔  
 جو باتیں اور تمہیں سکون حاصل ہو جاتے۔ گویا آفتابِ وحی کا طلوع بمنزلہ روزِ روشن ہے اور زمانہ قسرت بمنزلہ سکونِ شب۔  
 یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دی تھی جبکہ چند مہی بھر آدمی آپ کے ساتھ  
 تھے، ساری قوم آپ کی مخالفت تھی، بظاہر کامیابی کے آثار و دورِ دور کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اسلام کی شمع مکہ ہی میں ٹٹھا  
 رہی تھی اور اُسے بجا دینے کے لیے ہر طرف طوفان اٹھ رہے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ تبادلی  
 دور کی مشکلات سے آپ ذرا پریشان نہ ہوں۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ آپ کی  
 قوت، آپ کی عزت و شوکت اور آپ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا نفوذ و اثر پھینکا چلا جائے گا۔  
 پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ کو ملے گا  
 وہ اُس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ کو حاصل ہوگا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل  
 میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ”میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے  
 بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ  
 آخرت تمہارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔“

۵۷ یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی، لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی  
 وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضورؐ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے لہول  
 سے لے کر شمال میں سلطنتِ روم کی شامی اور سلطنتِ فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیجِ فارس سے لے کر  
 مغرب میں بحرِ احمر تک آپ کے زیرِ نگین ہو گیا، عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی  
 تابع ہو گئی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرانی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے وہ پورا  
 ملک گونج اٹھا جس کے مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا  
 زور لگا چکے تھے، لوگوں کے صرف سر پر اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے اور عقائد و اخلاق  
 اور اعمال میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی  
 قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو۔ اس کے بعد حضورؐ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ اشیاء  
 افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر وہ چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ  
 تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

یعنی ہمیں چھوڑ دینے اور تم سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال، ہم تو اس وقت سے تم پر مہربان ہیں جب تم تنہا پیدا ہوئے تھے۔ حضور ابھی بطنِ مادر ہی میں چھ مہینے کے تھے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ دنیا میں تنہا ہی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ کو بے سہارا نہ چھوڑا۔ چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ آپ کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو ۷ سال کی عمر تک آپ کے جد ماجد نے آپ کو اس طرح پالا کہ ان کو نہ صرف آپ سے غیر معمولی محبت تھی بلکہ ان کو آپ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ اُن کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ کے حقیقی چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت اپنے ذمے لی اور آپ کے ساتھ ایسی محبت کا بڑا ڈکھا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

۱۔ اصل میں لفظ ضالاً استعمال ہوتا ہے جو ضلالت سے ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنی گمراہی کے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کہ مختلف راستے جو سامنے ہیں ان میں سے کدھر جاؤں۔ ایک اور معنی کھوئے ہوئے کے ہیں، چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّيْلِ، پانی دُودھ میں گم ہو گیا۔ اُس درخت کو بھی عربی میں ضالہ کہتے ہیں جو صحراء میں اکیلا کھڑا ہو اور اُس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔ ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے مثلاً کوئی چیز ناموافق اور نامناسب حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔ غفلت کے لیے بھی ضلال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ خود قرآن مجید میں اس کی مثال موجود ہے کہ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى (طہ-۵۲)۔ ”میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔“ ان مختلف معنوں میں سے پہلے معنی یہاں چسپاں نہیں ہوتے، کیونکہ ہمیں سے قبل نبوت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات تاریخ میں موجود ہیں ان میں کہیں اس بات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ آپ کبھی بُت پرستی، شرک یا دہریت میں مبتلا ہوتے ہوں، یا جاہلیت کے جو اعمال، رسوم اور طور طریقے آپ کی قوم میں پائے جاتے تھے اُن میں سے کسی میں آپ ملوث ہوئے ہوں۔ اس لیے لامحالہ وَجَدَكَ ضَالًّا کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقیدے یا عمل کے لحاظ سے گمراہ پایا تھا۔ البتہ باقی معنی کسی نہ کسی طور پر یہاں مراد ہو سکتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایک اعتبار سے سب مراد ہوں۔ نبوت سے پہلے حضور اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے قائل تو ضرور تھے، اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور فضائلِ اخلاق سے آراستہ

لہذا یتیم پر سختی نہ کرو، اور سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کر دو

بھی تھی، لیکن آپ کو دین حق اور اس کے اصول اور احکام کا علم نہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (الشوریٰ، آیت ۵۲)۔ تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی تمہیں کوئی خبر تھی۔ یہ معنی بھی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ حضور ایک جاہلی معاشرے میں گم ہو کر رہ گئے تھے اور ایک ہادی و رہبر ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نبوت سے پہلے نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جاہلیت کے صحراء میں آپ ایک اکیسے درخت کی حیثیت سے کھڑے تھے جس میں پھل لانے اور ایک پودا باغ کا باغ پیدا کر دینے کی صلاحیت تھی مگر نبوت سے پہلے یہ صلاحیت کام نہیں آ رہی تھی۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی قوتیں آپ کو عطا کی تھیں وہ جاہلیت کے ناسازگار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں ضلال کو غفلت سے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے، یعنی آپ ان حقائق اور علوم سے غافل تھے جن سے نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرمایا۔ یہ بات خود قرآن میں بھی ایک جگہ ارشاد ہوئی ہے: وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف ۲)۔ اور اگرچہ تم اس سے پہلے ان باتوں سے غافل تھے۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔ اس طرح آپ کی زندگی کی ابتدا اخلاس کی حالت میں ہوئی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون، حضرت خدیجہؓ نے پہلے تجارت میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کیا، اس کے بعد انہوں نے آپ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ نے سنبھال لیا اس طرح آپ نہ صرف یہ کہ مالدار ہو گئے، بلکہ آپ کی مالداری اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔

۶۔ معنی تم چونکہ خود یتیم رہ چکے ہو، اور اللہ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ یتیمی کی حالت میں بہترین طریقے سے تمہاری دشگیری کی، اس لیے اس کا شکرا نہ یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ سے کبھی کسی یتیم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے پائی۔  
۷۔ اس کے دو معنی ہیں۔ اگر سائل کو مدد مانگنے والے حاجت مند کے معنی میں لیا جاسے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی مدد کر سکتے ہو تو کر دو، نہ کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کر دو، مگر بہر حال اُسے جھڑک نہیں۔  
اس معنی کے لحاظ سے یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم نادار تھے پھر اُس نے تمہیں مال دار کر دیا“ اور اگر سائل کو پوچھنے والے، یعنی دین کا کوئی مسئلہ یا حکم دریافت کرنے والے کے معنی میں

معنی میں یا جلتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص خواہ کیسا ہی جاہل اور اُجڑ ہو، اور بلا ہر خواہ کتنے ہی مقبول طریقے سے سوال کرے یا اپنے ذہن کی الجھن پیش کرے، بہر حال شفقت کے ساتھ اُسے جواب دو اور علم کا غم رکھنے والے بد مزاج لوگوں کی طرح اُسے جھڑک کر دُور نہ بھگا دو۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم ناواقفِ راہ تھے پھر اُس نے تمہیں ہدایت بخشی“ حضرت ابوالدرداءؓ، حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ اور عین دوسرے بزرگوں نے اسی دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ ترتیبِ کلام کے لحاظ سے یہ ارشاد وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کے جواب میں آتا ہے۔

اللہ نعمت کا لفظ عام ہے جس سے مراد وہ نعمتیں بھی ہیں جو اس سورہ کے نزول کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاکؐ کو عطا فرمائی تھیں، اور وہ نعمتیں بھی جو بعد میں اُس نے اپنے اُن وعدوں کے مطابق آپ کو عطا کیں جو اس سورہ میں اُس نے کیے تھے اور جن کو اُس نے بدرجہ اتم پورا کیا۔ پھر حکم یہ ہے کہ اُسے نبی ہر نعمت جو اللہ نے تم کو دی ہے اُس کا ذکر اور اُس کا اظہار کرو۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ نعمتوں کے ذکر و اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جاتے اور اس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی مجھے حاصل ہیں یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہیں ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ نعمتِ نبوت کا اظہار اسی طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا جائے۔ نعمتِ قرآن کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اُس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ نعمتِ ہدایت کا اظہار اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھنکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا جائے اور اس کام کی ساری غیبیوں اور ترشبیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے یتیمی میں دستگیری کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ویسے ہی احسان کا سلوک کیا جائے۔ نادار سے مالدار بنا دینے کا جو احسان اللہ نے کیا اس کا اظہار یہی صورت چاہتا ہے کہ اللہ کے محتاج مندوں کی مدد کی جائے۔ غرض یہ ایک بڑی جامع ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات و احسانات بیان کرنے کے بعد اس مختصر سے فقرے میں اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔